Shihabi, Muhammad Intizam Allah

سلسلۂ مطبوعات مجلس مصنفین علیگڑھ

نمبر ۲

Maulana Fazl Haqq

مولنا فضل حق

و

عبد الحق صاحب

خیرآبادی

از

مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب الشہابی۔ اکبرآبادی

مطبوعۂ

نظامی پریس بدایوں

12/2/67

مولانا فضلِ حق خیر آبادی

و

شمس العلماء مولانا عبد الحق خیر آبادی

(از مفتی انتظام اللہ صاحب اکبر آبادی مؤلف معلومات قرآن)

نام و نسب مولانا عبد الحق بن علامہ فضل حق بن فضل امام بن شیخ ارشد بن محمد صالح بن ملّا عبد الواحد بن عبد الماجد بن قاضی صدر الدین عمری ہرگامی [1]

خاندانی حالات مولانا کے اجداد خیر آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر باپ دادا کی عمر دلّی میں گزری اُن کے مورث اعلیٰ شیر الملک بن عطار الملک فاروقی تھے۔ جن کے دادا پردادا ایک قطعہ ملک ایران پر حکمراں تھے۔ جب فرمانروائی پر زوال آیا تو علم کی دولت کمائی شیر الملک کے دو صاحبزادے شمس الدین و بہاؤ الدین ذی علم و خوش استعداد بزرگ تھے۔ ہندوستان قدر دانی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہ حضرات عازم سفر ہوئے۔ ہند میں وارد ہوئے تو شمس الدین نے رہتک کی مسند افتا کو سنبھالا۔ ان کی اولاد میں شاہ عبد الرحیم تھے [3]

دوسرے صاحب قبتہ الاسلام بدایوں کے مفتی مقرر ہوئے۔ ان کے پوتے شیخ ارزانی نامور مفتی ہوئے ہیں۔ شیخ عماد الدین ابن شیخ ارزانی علم کی تحصیل کی خاطر قاضی ہرگام کے پاس آئے علمی صحبت ایسی بھائی کہ یہیں کے ہو رہے۔ قاضی ہرگام نے شرافت و نجابت کا حال معلوم کر کے اپنی دختر اُن سے بیاہ دی۔ جن کے بطن سے شیخ اسمٰعیل تھے جو اپنے نانا کے بعد قاضی ہرگام ہوئے۔ ان کو شیخ سعدی کاکوروی [4] کی دختر منسوب تھیں جن سے قاضی صدر الدین

---

[1] - تذکرۃ الانساب مولوی مصطفےٰ علی خاں گوپاموی (قلمی)،
[2] - آثار الصنادید،
[3] - حیات شاہ ولی اللہ دہلوی
[4] - منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی،

ہرگامی تھے یہ اپنے وقت کے مشاہیر لوگوں میں سے تھے[۱]

قاضی صاحب کے دو صاحبزادے ملّا ابوالوعظ۔ عبدالماجد اور ایک دختر تھی دختر مفتی عبیداللہ شاہی برادر کلاں مُلّا وجیہ الدین مؤلف رُبع حصّہ فتاویٰ عالم گیری ابن مفتی شیخ علیٰ محدث بن مخدوم شیخ آدم دانش مند گوپاموی کو بیاہی گئیں۔ جن کی اولاد سے خاندان مفتیان گوپامئو ہے[۲]۔ ایسے خاندان کے ایک علمی فرد مفتی انعام اللہ خان بہادر مفتی محکمۂ قضاۃ دہلی تھے[۳]

ملّا ابوالواعظ اورنگ زیب کے اتالیق رہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین سے ہیں۔ ملّا قطب الدین سہالوی ان سے ملنے کے لئے ہرگام گئے تھے[۴]۔ اُن کے برادر زادہ مُلّا عبدالواجد فاضل جلیل تھے کافیہ پر مبسوط شرح لکھی اور اقلیدس پر حاشیہ لکھا۔ سید عبدالواجد کرمانی نے یہ حاشیہ مُلّا قطب الدین گوپاموی کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ فرماتے ہیں:-

”کہ من حواشی ملّا کہ بر تحریر اقلیدس نوشتہ
دیدہ ام بغایت خوب نوشتہ“

حافظ محمد صالح عہد محمد شاہ میں منصب دار تھے۔ عطیۂ شاہی سے جاگیر تھی۔ تذکرۂ اولیا تصنیف سے ہے اُن کے خلف شیخ ارشد ہرگامی تھے۔

مولانا فضل امام بن شیخ ارشد عالم محقق فاضل مدقق تھے۔ مولوی سید عبدالواجد کرمانی خیرآبادی جو ملّا دہاج الدین گوپاموی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ نوعمری میں دہلی آگئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے صدر الصدور کے عہدہ پر سرفراز کئے گئے۔ مولانا صلاح الدین گوپاموی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ملازمت کے فرائض کی ادائگی کے ساتھ درس و تدریس شغل تھا۔ مرقات تلخیص الشفاء۔ حاشیۂ افق المبین (اصلی نسخہ راقم سطور کے کتب خانہ میں ہے) نخبۃ السر (یہ نسخہ کتب خانہ صاحبزادہ عبیدہ اللہ خاں ٹونک میں ہے)

۱۔ سیر العلماء مولوی حکیم بہاؤالدین گوپاموی۔

۲۔ تذکرۃ الانساب۔

۳۔ انشائے بیخبر مطبوعہ مرتضائی پریس آگرہ۔

۴۔ آمدنامہ۔

آمدنامہ (علمائے اودھ کا مختصر تذکرہ ہے یہ کتاب شاہ ولایت حسین صاحب سجادہ نشین لاہرپور کے کتب خانہ میں ہے) یادگار سے ہیں ذیقعدہ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو وطن میں انتقال کیا[۱]۔ مرزا غالب نے تاریخ وفات کہی۔

گفتم اندر سایۂ لطف نبی   یاد آرامشگہ فضل امام[۲]
۱۲۴۰

مولانا فضل امام کے کئی صاحبزادے تھے۔ مولانا فضل حق اور مولانا فضل عظیم مشہور و معروف ہیں۔ **مولانا فضل حق** ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۹ء میں دلی میں پیدا ہوئے۔ امیرانہ طور سے تعلیم و تربیت کا انتظام ہوا۔ چار سال کی عمر میں بسم اللہ ہوئی۔ آٹھ برس کی عمر میں رسائل صرف و نحو پڑھنے لگے۔ علوم معقول کی تکمیل باپ سے کی اور علم حدیث مولانا شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے حاصل کیا۔ مولوی اکرام اللہ شہابی صاحب تصویر الشعرا کہا کرتے تھے کہ مولانا کے باپ کی سواری میں ہاتھی رہتا تھا۔ چنانچہ مولانا جب حدیث پڑھنے جاتے تو ہاتھی پر سوار ہو کر جاتے۔ مولوی احمد علی خیرآبادی یہ واقعہ بیان کرتے تھے کہ مولوی فضل حق اور مفتی صدرالدین جس روز خود کتاب لے کے آتے اُس روز شاہ عبدالقادر سبق پڑھاتے، اور جس روز کتاب خدمت گار لیکر درسگاہ میں آتا اس روز کتاب نہ پڑھاتے[۳]۔

مولوی اکرام اللہ اپنے والد بزرگوار مفتی انعام اللہ خاں بہادر کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے تھے۔ مفتی صدرالدین اور مولانا فضل یہ باتیں کرتے آرہے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث۔ تفسیر۔ فقہ۔ وغیرہ خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے ابھی شاہ صاحب تک یہ پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر صحن مسجد میں ڈال دو۔ اور ایک مسجد کے اندر بچھادو۔ اور جب فضل حق اور صدرالدین آئیں تو ان کو وہیں صحن مسجد میں بٹھا دینا۔ بوریہ حسب الحکم بچھا دیا گیا۔ ان کے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی۔ باہر تشریف لائے۔ اور آکر خود اندرون مسجد بوریہ پر بیٹھ گئے اور فرمایا میاں فضل حق اور میاں صدرالدین آج سبق پڑھانے کو جی نہیں چاہتا۔ البتہ جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی

---

[۱]۔ سیر العلماء۔

[۲]۔ سبد چین۔

[۳]۔ امیر الروایات۔

خرافات میں گفتگو ہو۔ یہ بولے جیسی حضرت کی خوشی۔ اس پر شاہ صاحب کہنے لگے کہ یہ بتاؤ متکلمین کا کون سا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہو۔ یہ بولے کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا مسئلہ لیتے ہیں اور پھر گفتگو کریں۔ انھوں نے عرض کیا۔ بہت اچھا۔ گفتگو چھڑی رد و کد خوب ہوئی۔ مگر شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا اب تبلاؤ۔ فلاسفہ کا کونسا مسئلہ سب سے کمزور ہے۔ اس پر یہ بولے کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی انہیں چلنے نہیں دیا۔ جب ہر طرح ان دونوں کو زچ کر دیا۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق و میاں صدر الدین تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی۔ بلکہ ہم نے اس کو ناقص اور واہیات سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ مگر اس نے ہمیں اب تک نہیں چھوڑا۔ وہ اب تک ہماری قدم بوسی کئے جاتی ہے[۵]۔

حفظ مولانا نے چار ماہ میں کلام مجید حفظ کیا۔ اس قدر قوی حافظہ کے تھے۔

درس و تدریس تیرہ برس کی عمر میں یعنی ۱۸۰۹ء میں فراغت علمی کر چکے تھے۔ باپ کے ارشاد پر طلبار کو درس دینے لگے۔ جس قدر باپ کے پاس طلبار آتے ان کو یہی پڑھاتے۔

مولانا سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی سے منقول ہے کہ مولانا فضل امام نے ایک طالب علم سے فرمایا کہ میاں تم بھی فضل حق سے ہی سبق پڑھ لیا کرو۔ وہ آیا غریب آدمی بدصورت عمر زیادہ، علم کم، ذہن کند۔ یہ نازک طبع، نازپروردہ، جمال صورت و معنے سے آراستہ، چودہ برس کا سن، نئی فصیلت، ذہن میں جودت۔ بھلا میل ملے تو کیسے ملے۔ صحبت راس آئے تو کیوں کر آئے تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے جھٹ اُس کی کتاب پھینک دی۔ بُرا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا فضل امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال بیان کیا۔ فرمایا کہ بلاؤ اُس خبیث کو۔ مولوی فضل حق صاحب آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا ایک تھپڑ ایسے زور سے دیا کہ ان کی دستار فضیلت دور جا پڑی، پھر فرمانے لگے کہ تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا۔ ناز و نعم میں پرورش پائی۔ جس کے سامنے کتاب رکھی اُس نے خاطر داری

---

[۵] - امیر الروایات۔

سے پڑھایا۔ طالب علموں کی قدر و منزلت تو کیا جانے۔ اگر مسافت کرتا۔ بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے پوچھ۔ خبردار تم جانوگے اگر آئندہ ہمارے طالب علموں سے کچھ کہا۔ یہ چُپ کھڑے روتے رہے۔ کچھ دم نہ مارا۔ خیر قصہ رفع دفع ہوا۔ لیکن پھر کسی طالب علم کو کچھ نہ کہا[۵]۔

واقعات

ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ علماء بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے فتح دہلی کے بعد سے دربار شاہی میں ایک انگریز ریذیڈنٹ رہتا تھا۔ مولانا فضل حق سرشتہ دار ہو گئے۔ حُسن کارگزاری، سلیقہ مندی اور اعلیٰ قابلیت کی بنا پر ریذیڈنٹ تو ریذیڈنٹ بادشاہ اکبر شاہ ثانی بھی آپ کا خیال رکھتے تھے۔

ریذیڈنٹ کے منظورِ نظر ہونے سے دہلی کی سرکاری عملے کے لوگ مولانا کا بیحد احترام کرتے تھے یہی وقت تھا کہ مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے پوتے مولانا محمدؒ اسمٰعیل شہید ابن مولانا عبدالغنی برادر شاہ عبدالعزیز دہلوی نے بدعات کے خلاف اور مشرکانہ رسوم کی تردید میں وعظ کہنا شروع کیا۔ مگر ذرا سختی کو کام میں لائے۔ علماء سو بگڑ گئے۔ اُنکا حلوا مانڈہ ہاتھ سے جانے لگا۔ بیوی کی صحنک۔ شیخ سدّو کا بکرا۔ مشکل کشا کا کونڈا۔ جلال بخاری کے کونڈے۔ منت کا تعزیہ، فاتحہ، اور نذر و نیاز کے واسطے یہی مُلّا لوگ بلائے جاتے تھے۔ معاوضہ میں ٹکے اور مرغن کھانے ملتے۔ خیال کیا مولوی اسمٰعیل کا اگر عوام پر رنگ چڑھ گیا۔ تو ہمیں کوئی کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا۔ خود تو اس لیاقت کے نہ تھے کہ مولانا محمدؒ اسمٰعیل سے ٹکر لیتے۔ روتے دھوتے مولانا فضل حق کے پاس آئے مولانا بدعت کے خلاف آواز پر تو بولے نہیں مگر جہاں مسلمانوں کے ہر فعل کو شرک قرار دیا جانے لگا اُس پر یہ علم کے زور پر جناب شہید کے مقابل آ گئے مولانا شہید مولانا سے اٹھارہ برس عمر میں بڑے تھے۔ حضرتِ شہید بھی درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے اور مولانا بھی ملازمت سرکاری کے ساتھ طلباء کو پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا پہلا اوچھا حملہ یہ تھا کہ طلبا کو سکھا پڑھا کر حضرت شہید کے درس میں بھیجنا شروع کیا۔ مگر اس کا اثر اُلٹا پڑا۔ جو طلباء سخن فہمی کا سلیقہ رکھتے تھے مولانا سے جدا ہو کر شہید کے سچے خادم بن جاتے تھے۔ جب یہ تدبیر نہ چلی تو ریذیڈنٹ

---

[۵] ۔ تذکرۂ غوثیہ از مولانا گل حسن شاہ۔

سے کہکر شاہ شہید کا وعظ بند کرادیا۔ مگر شاہ صاحب نے اس کو بھی قائل کر دیا تو بادشاہ اکبر شاہ ثانی سے جا لگائی کہ تبرکات نبوی جو جامع مسجد میں رکھے ہوئے ہیں اُن کے خلاف شاہ صاحب کہتے ہیں۔ اکبر شاہ نے شاہ صاحب کو دربار میں بلا بھیجا۔ مروجہ آداب کو پس پشت ڈالکر بادشاہ کو عام مسلمانوں جیسا "السلام علیکم" کہہ کر سلام کیا۔ بادشاہ نے گرم جوشی سے جواب دیا بادشاہ نے کہا شاہ صاحب سُنا ہے آپ تبرکات کے خلاف بہت زہر اگل رہے ہیں۔ اور تبرکات نکلتے ہیں تو تعظیم تک نہیں دیتے۔ شاہ صاحب بولے یہ فرضی ہیں اور خود آپ بھی فرضی سمجھتے ہیں، اگر اصلی ہوتے تو آپ خود ان کی عزت کرتے اور خود تبرکات کے پاس جاتے۔ اور چومتے۔ مگر وہ سال میں دو مرتبہ آپ کے لئے لائے جاتے ہیں۔ بادشاہ نے یہ سنا تو آب دیدہ ہوگیا اور سخت نادم ہوا، اپنے ہاتھ سے سنہرے کنگن اتار کر شاہ صاحب کے نذر کئے لیکن انھوں نے لینے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ غربار کا حق ہے۔ ان کو دیدو۔

شاہ صاحب کا اس جنجال سے یوں چھٹکارا ہوا۔ تو مولانا نے دیکھا کہ یہ نشانہ بھی خالی گیا، مجبوراً قلم سنبھالا بحثیں شروع ہوگئیں۔ تحریری مناظرے ہونے لگے۔ دوسرے علما بھی میدان تحریر میں اُتر آئے اور اس کا سلسلہ ہندوستان میں برسوں جاری رہا۔ امتناع نظیر۔ امکان نظیر۔ رفع یدین۔ آمین بالجہر۔ وغیرہ میں شاہ صاحب اور مولانا لگ گئے۔ مناظر کا طریقہ یہ تھا۔ کہ مولانا اعتراض لکھکر بھیجتے۔ شاہ صاحب جواب لکھدیتے۔

مولانا کو شطرنج سے بڑا شوق تھا۔ حکیم مومن خاں مومنؔ بھی شطرنج کے بڑے کھلاڑی اور مشہور شاطر تھے دونوں کا ساتھ بندھا۔ شاہ شہید تو وعظ و تذکرہ اور قرآن و حدیث کی اشاعت میں لگے رہتے۔ مگر یہاں اردو گرد شعرا کا جمگھٹا رہتا، مرزا غالبؔ مومن کا مومنؔ، شیفتہؔ، اور آزردہؔ جیسے نامور شعرار شریک صحبت ہوتے۔ اور شعر و سخن کے سوا کیا تھا۔ ملازمت اور درس کے بعد اسی شغل میں لگ جاتے۔ ایک دن مولانا نے اعتراض لکھکر شاہ صاحب کے پاس اپنے آدمی کے ذریعہ بھیجا۔ شاہ صاحب نے کہا پھر جواب آکر لے جانا۔ ورنہ عموماً اُسی وقت لکھکر دیدیا کرتے تھے۔ آدمی لوٹ کر آیا۔ انھوں نے کھیل میں سے آنکھ اٹھا کر خادم کی طرف دیکھا۔ کیا جواب لائے۔ وہ بولا حضور پھر بلایا ہے، مولانا حضرتِ مومنؔ کی طرف مخاطب ہو کر بولے۔ حضرت بس۔ شاہ صاحب اب جواب دے چکے۔ مومنؔ شاہ صاحب کے پیر سید احمد بریلوی کے معتقد تھے اور خود بھی شاہ صاحب کے خیالات کے

ہم نوا۔ مولانا کے اس جملہ پہ بگڑ بیٹھے اور شطرنج چھوڑ یہ شعر کہتے ہوئے اپنے گھر چلدیئے

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں   مومنؔ نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

مولانا نے یہ رنگ جو دیکھا تو دوسرے روز حکیم مومن خاں صاحب کے پاس گئے اور میل ملاپ کی باتیں کیں۔ وہ رضامند ہوگئے۔ اور اُن کے ہمراہ چلے آئے[۵] چنانچہ فرماتے ہیں۔

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملینگے کسی سے ہم   پر کیا کریں کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم

لطیفہ

مولانا اور مرزا غالبؔ میں بڑا یارانہ تھا، مرزا تھے شاعر اور آزاد منش، کسی گھر بند نہ تھے۔ نہ نماز کے نہ روزے کے۔ صرف محبت اہل بیت میں سرمست۔ انھیں مذہبی بحثوں سے کیا واسطہ۔ مولانا نے مرزا سے کہا۔ موقع اچھا ہے، کچھ تو لگے ہاتھ ثواب لے لو، کوئی بھی تو ایسا کام کرلو کہ مستحق ثواب ہو، مرزا نے بادل ناخواستہ مولانا کے اصرار پر وہابیوں کے اعتقاد کے خلاف امتناع ختم النبین پر مثنوی لکھی۔

اس مسئلہ میں شاہ صاحب کی یہ رائے تھی کہ ختم النبین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر۔ ممتنع بالذات نہیں ہے یعنی آں حضرت صلعم کا مثل اس لیے پیدا نہیں ہوسکتا کہ اُس کا پیدا ہونا آپ کی خاتمیت کے منافی ہے نہ اس لئے کہ خدا اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ برخلاف اس کے مولانا کی یہ رائے تھی کہ خاتم النبین کا مثل ممتنع بالذات ہے جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کرسکتا اسی طرح خاتم النبیں کا مثل بھی پیدا نہیں کرسکتا

چنانچہ مرزا غالب نے مثنوی کہدی جو کلیات میں مثنویات کے سلسلہ میں چھٹی مثنوی ہے۔ مولانا نے جو مثنوی دیکھی اپنی رائے سے کچھ ہٹا پایا۔ چراغ پا ہوگئے بہت بگڑے۔ مرزا کو نہ شاہ صاحب سے خصومت تھی اور نہ ان کے مخالفوں سے تعلق بلکہ دوست کی رضاجوئی مقصود تھی۔ چنانچہ علامہ کے کہنے سے کچھ اشعار کا اضافہ کرکے دوست کو رضامند کرلیا،

۵۔ امیر المرزایات۔

سوانح

علامہ رزیڈنٹی کی عدالت ضلع میں سررشتہ داری پر بدل آئے۔ پھر کمشنری میں ہو گئے" سر ایڈورڈ کول بُرک کلکتہ سے دلّی آئے۔ اپنے ہمراہ اپنے لڑکے شیر اصاحب کے اتالیق مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی کو لائے۔ یہاں ریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ تو اپنے محکمہ کا ناظم ان کو مقرر کیا۔ پیرمنشی التفات حسین تھے۔ دربار اکبر شاہ سے خطاب خانی دلوایا ۱۸۲۸ء (۱۲۴۴ھ) میں ولایت جانے لگا تو مفتی صاحب کو محکمۂ قضاۃ دہلی میں مفتی کے عہدہ پر فائز کرا دیا۔ جب یہ محکمہ شکست ہوا۔ صدر نظامت قائم ہوئی مفتی صاحب کو سرکاری وکیل کر کے الہ آباد بھیج دیا۔ اس زمانہ میں کچھ حکام کی نظریں پھرنے لگیں۔ علامہ فضل حق نے یہ انداز گوارا نہ کیا۔ مستعفی ہو گئے۔ نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر کو جو معلوم ہوا اُس نے پانسو روپیہ ماہوار مصارف کے لئے پیش کیا۔ اور قدر دانی کے ساتھ اپنے پاس بلا لیا۔ دہلی سے روانگی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابوظفر (بہادر شاہ) نے اپنا ملبوس دوشالہ علامہ کو اڑھا دیا۔ اور بوقت رخصت آب دیدہ ہو کر کہا چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کر لوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع دل سے زبان پر لانا دشوار ہے۔

علامہ ایک عرصہ تک نواب جھجر کے پاس رہے۔ پھر مہاراجہ صاحب الور نے بلا لیا۔ یہاں سے سہارن پور گئے۔ پھر ٹونک میں نواب وزیر الدولہ نے طلب کیا۔ آخر میں لکھنؤ چلے آئے۔ اور صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔

مولوی رحمٰن علی خاں تذکرہ علمائے ہند میں اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں کہ میں نے ۱۲۶۴ھ میں بمقام لکھنؤ مولانا کو دیکھا کہ حقہ نوشی کی حالت میں شطرنج بھی کھیلتے جاتے تھے اور ایک طالب علم کو افق المبین کا درس اس خوبی سے دیتے تھے کہ مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہو جاتے تھے"۔ یہاں سے نواب رامپور نے بلایا۔ نواب یوسف علی خاں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ جب نواب ۱۸۵۵ء (۱۲۷۲ھ) میں تخت نشین ہوئے۔ مولانا رامپور میں تھے' مرزا غالب کا ذکر نواب صاحب سے اکثر کرتے۔ نواب صاحب مرزا سے زیادہ مانوس نہ تھے۔ مولانا نے حق دوستی ادا کیا۔ اس قدر تعریف و توصیف کی کہ سرکار رامپور آخر ش اُن کے کلام کے مشتاق ہو گئے۔ جب حالات سازگار نظر آئے تو مولانا نے مرزا صاحب کو لکھا کہ نواب کو نامۂ بندگی اور قصیدہ مدحیہ ارسال کریں۔

مولانا الور میں جس زمانہ میں تھے۔ ان سے مولوی محمد حسن بہاری پڑھتے تھے وہ کہتے تھے کہ مولانا کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفا کا نسخہ دیکھنے کو ملا۔ بڑے غور سے مطالعہ کیا اور کہنے لگے شاہ ولی اللہ بحر بیکراں ہے۔ اس کے علم کا چھور نہیں"[۵۱]

چنانچہ مرزا صاحب نے ۲۸ / جنوری ۱۸۵۷ء کو پہلا قصیدہ روانہ کیا۔ اس کے جواب میں نواب فردوس مکان نے ۵ / فروری کو اپنے اشعار بغرض اصلاح روانہ کئے۔ اس کے بعد مرزا نے قصیدۂ مدحیہ نظم کرکے بھیجا۔ اور اس کی نقل مولانا کو روانہ کی۔ مولانا الور گئے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچی۔ تو مولانا نے مفصل خط نواب کو مرزا صاحب کی تعریف و توصیف کا لکھا۔ پھر تو رنگ گٹھ گیا۔ اور مرزا صاحب کے سابقہ تعلقات از سر نو استوار ہو گئے۔ اور تعلق ریاست سے قائم ہو گیا[۵۲]

لطیفہ

مولانا فضل حق رامپور میں محکمۂ نظامت میں منسلک تھے۔ مولوی خلیل الرحمٰن سواتی رامپور آئے۔ علمی استعداد معقول تھی۔ مگر حنفیت کا غلبہ تھا تو ہب کے خلاف مساعی اعلائے کلمۃ الحق کے مرادف سمجھتے تھے۔ تھوڑے عرصہ میں عام قبولیت ہو گئی۔ نواب یوسف علی خاں تک رسائی ہو گئی۔ نواب سے کہا۔ میں ہر چیز قرآن مجید سے نکال سکتا ہوں چنانچہ نواب صاحب سے مولانا فضل حق ملے تو نواب نے کہا مولانا خلیل الرحمٰن تو ہر چیز کلام پاک سے نکال سکتے ہیں، مولانا بولے حضور اُن سے کہیئے گا کہ معجون فلاسفہ کا نسخہ کلام مجید سے نکال دیں۔ چنانچہ خلیل الرحمٰن آئے تو نواب نے ان سے یہی کہا وہ سمجھ گئے کہ یہ مولانا فضل حق کی کارستانی ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ فضل حق آ گئے۔ مولانا سواتی اُن کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ گئے۔ منقولی بحث ہوتی رہی، مولانا نے منطق میں لاکر ایسا پچھاڑا کہ چاروں خانے چت ہو گئے۔ نواب کے سامنے کرکری ہو گئی۔ خفیف ہو کر چلدیئے[۵۳]

اُس دن سے مولانا نے بھی اصولی کتابوں کا مطالعہ غائر نظر سے شروع کر دیا۔

شعر و شاعری

مولانا فضل و کمال اور علمی حیثیت سے بڑی قدر و منزلت کے فرد تھے۔ علوم

۵۱۔ شاہ ولی اللہ نمبر (فرقان بریلی ۱۳۶۰ھ) (محرم یا صفر)

۵۲۔ مکاتیب غالب عرشی صفحہ ۶۵۔

۵۳۔ تذکرۂ کاملان رامپور۔

معقول کے مجتہد امام تھے ہی مگر ادب جو عربیت کا بڑا جوہر ہے اس میں وہ کمال حاصل تھا جس کو آج تک ماہرِ فن تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ عبارت ایسی لکھتے تھے جس کی مثال علمائے ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے بعد ملنا مشکل ہے۔

شاعری کی طرف متوجہ ہوئے تو عرب کے معاصرین شعرا میں گوئے سبقت لیگئے علامہ کو عربی نظم پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ عروض و علم شعر میں اہل عصر سے ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ چار ہزار اشعار سے زیادہ اشعار کہے[۵۱]۔ علامہ نے ایک قصیدہ عربی میں لکھا اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کو سنانے کے لئے گئے۔ یہ مولانا کی اوائل عمری کا واقعہ ہے، شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں انھوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دئے۔ مولوی فضل امام بھی اور مولانا غوث علی شاہ پانی پتی بھی وہاں موجود تھے۔ مولوی صاحب فرمانے لگے کہ مدادب۔ علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ہے نہیں۔ فن شاعری ہے۔ اس میں بے ادبی کی کیا بات۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تم سچ کہتے ہو۔ مجھکو سہو ہوا[۵۲]۔ غرضکہ آپ کی قادرالکلامی اور انشاءعربی بڑے پایہ کی ہے، عربی نثر و نظم علم ادب کی جان اور اس کی رُوح ہے۔

بیعت

مولانا کی آخری عمر زہد۔ تقوئی میں کٹی۔ عہد شباب کی رنگ رلیاں ختم ہو چکی تھیں، فرشتہ خصلت۔ منکسر مزاجی عام شیوہ تھا۔ زاہدانہ زندگی گزار رہے تھے۔ احتیاط حد درجہ کی ہو گئی تھی۔ شیخ المشائخ قادریہ حضرت شاہ دھومن دہلوی کے مرید تھے اور انھوں نے خرقۂ خلافت بھی عطا کیا۔

ہنگامہ

مولانا حکیمانہ دماغ کے فرد تھے۔ اُن کے سامنے اسلامی اقتدار ختم ہو رہا تھا۔ آنکھوں دیکھتے دیکھتے یکے بادیگرے شعائرِ اسلامی مٹ رہے تھے۔ محکمۂ قضاۃ توڑا گیا محرمات کی روز بروز گرم بازاری ہونے لگی۔ تمام ریاستوں میں دورہ کیا مگر دوالیہ تھے۔

۵۱۔ مولانا کے کلام کا بڑا ذخیرہ مولوی سبحان اللہ خاں گورکھپوری کے کتب خانہ میں ہے جو مسلم یونیورسٹی لٹن لائبریری میں آ گیا ہے۔ اور دو بیاضیں مولوی ولایت حسین لاہرپوری کے کتب خانہ میں ہیں۔ کچھ کلام کا حصہ بلکہ اصلی مسودہ کتب خانۂ مفتیان گوپامئو میں راقم سطور کے پاس ہے۔

۵۲۔ تذکرۂ غوثیہ از مولانا گل حسن شاہ پانی پتی۔

علمار کے جرگہ پر ہاتھ ڈالا تو نبضوں میں گرمی تھی۔ فتویٰ دیا۔ علمار کے دستخط ہوئے۔ عوام میں مشتہر کیا گیا۔ مگر عصبیت ختم ہو چکی تھی۔ شعلہ کی آخری بھڑک تھی کہ بھڑکی۔ پھر سرد ہو گئی۔ علمار پکڑے گئے۔ مفتی صدر الدین خاں۔ نواب مصطفیٰ خاں وغیرہ عمدہا کو ارباب حکومت نے دھر لیا۔ نواب صاحب کی معافی ہوئی۔ مفتی صاحب نے بالجبر اور بالخیر کے قضیہ میں جان بچائی۔ مگر علامہ فضل حق مردانہ وار انتظارِ دار میں رہے۔ مولانا پر مقدمہ لکھنؤ میں بغاوت کے سلسلہ میں چلایا گیا۔ جس مخبر نے آن کر فتوے کی خبر دی تھی۔ اُس نے اُن کو جو دیکھا چہرہ پہ تقدس کے آثار۔ ملک صورت۔ مخبر کی آنکھیں کھل گئیں۔ بیان کے وقت مخبر نے عدالت سے کہا حضور یہ وہ فضل حق نہیں ہیں۔ یہ کوئی دوسرے ہیں۔ مولانا پاس کھڑے تھے۔ مسکرائے اور عدالت سے کہا جناب پہلے جو کچھ اس نے کہا وہ بالکل سچ ہے اس وقت جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بالکل جھوٹ ہے۔ فتویٰ میرا لکھا ہوا ہے۔ اور میں آج بھی وہی کہوں گا جو اُس میں میں نے لکھا ہے' فتویٰ میرا ہے۔ چنانچہ مقدمہ ان کے خلاف فیصل ہوا۔ ہشاش بشاش چل گئے۔ پھانسی کے بجائے انڈمان بھیج دیا گیا۔ ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو انتقال کیا اور جزیرۂ انڈمان ہی میں سپرد خاک ہوئے

"مولانا عبد الحق صاحب"

ولادت مولانا عبد الحق دلّی میں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے ماں باپ کے آغوش میں نشو و نما پائی۔ سمجھ کی آنکھ کھولی تو باپ کے ارد گرد اہل علم کا مجمع پایا۔ مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور تھے دلّی علما و شعرا کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مولانا رشید الدین خاں مولوی کریم اللہ۔ مولوی مخصوص اللہ بن مولانا شاہ رفیع الدین' مولانا قطب الدین خاں' مولوی سید محبوب علی۔ مولوی نصیر الدین شافعی۔ مولانا محمد نور الحسن مولوی مملوک علی' سراج العلمار مفتی سید رفعت علی۔ آخون شیر محمد افغانی۔ مولوی سید امان علی۔ مولانا شاہ محمد اسحاق۔ مولانا شاہ محمد اسمٰعیل۔ مشائخ عہد میں مولانا شاہ غلام علی' مولانا شاہ ابو سعید' حضرت شاہ محمد آفاق۔

مجددی۔ مولانا قطب الدین، حضرت غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب، خواجہ محمد نصیر۔ مولوی یوسف علی۔ وغیرہ اپنے فضل وکمال کی مجالس جمائے بیٹھے تھے۔ مرزا غالب، حکیم مومن خاں صہبائی، وغیرہ سے اساتذہ شعرا کا ڈنکا بج رہا تھا۔ مولانا نے ۱۶ برس کی عمر میں باپ سے علوم عقلیات ونقلیات کی تحصیل کی اور علمائے عصر کی صحبت علمی نے کم عمری میں اُن کو اور چار چاند لگا دیئے۔

سوانح اپنے والد کے ساتھ الور آئے گئے۔ مہاراجہ الور آپ کے فضل وکمال اور بول چال کا شیفتہ ہو گیا۔ الور میں ان کو بلایا اور عمائد اور ارکان سلطنت میں داخل کر لیا۔ جس وقت ہنگامہ ۱۸۵۷ء ہوا تو یہ الور میں مقیم تھے۔ باپ چلے آئے۔ یہ پیروکاری کے لئے لکھنؤ گئے۔ جب اُن کو کالا پانی ہوا یہ کچھ عرصہ وطن آبائی خیرآباد میں رہے۔ پھر ٹونک کے نواب نے بلایا۔ وہاں کچھ عرصہ عزت و وقار سے رہے۔ درس و تدریس بھی جاری رکھا۔ ان کے فضل و تبحر علمی کی شہرت دور دور ہو گئی تھی، گورنمنٹ نے ان کی علمی خدمات کلکتہ کے مدرسۂ عالیہ کے لئے لے لیں۔ افسر اعلیٰ کر دیئے گئے۔ عرصہ تک کلکتہ میں رہے۔ آب وہوا ناموافق ہوئی۔ نوکری کو خیرباد کہا۔ رامپور طلبی ہوئی۔ نواب کلب علی خاں نے نے بڑی آؤ بھگت کی، آنکھوں پر بٹھایا۔ ۱۲۸۱ھ سے ۱۳۰۰ھ تک حاکم مرافعہ اور مدرسۂ عالیہ رامپور کے افسر رہے۔ علاوہ تنخواہ کے نواب دو چار ہزار روپیہ اور دیدیا کرتے تھے۔ مولانا فضول خرچ بہت تھے۔ تنخواہ ناکافی رہتی۔ قرض پہ مدار رہتا۔ تو نواب صاحب کو خبر لگتی وہ اُدھار چکا دیا کرتے

علمی دربار مولانا کا دربار صبح ہوا کرتا۔ علما اور علمی مذاق رکھنے والے حضرات ثقات شہر سے آجاتے۔ لطف یہ تھا ہر ایک کے ساتھ گفتگو جاری ہے۔ اس میں ہی طلباء کو درس دیا جا رہا ہے سامنے کاغذات رکھے ہیں۔ شغل تصنیف بھی جاری ہے، رامپور کوئی اہل علم جاتا تو آپ کی عتبہ بوسی شرف سمجھتا آپ کے یہاں عموماً علمی مسائل پر گفتگو ہوتی تھی، لوگ مشتاق ہو کر جاتے تھے۔

لطیفہ ڈاکٹر ایم احمد صاحب استاد شعبۂ فلاسفی مسلم یونیورسٹی مولانا سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم مغفور کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک طالب علم دوست محمد خاں نامی تھے۔ ان کے ایک عزیز کی رسائی نواب کلب علی خاں تک تھی۔ طالب علم اس پر

جلا کرتے کہ مولانا باتوں میں تو لگ گئے ہیں۔ ہم طلبار کو سبق میں دیر کر دیتے ہیں، یہاں بیٹھے بیٹھے کیا مولانا کا منہ ہی دیکھا کریں اپنے عزیز سے جاکر مولانا کی شکایت کی۔ وہ ایسے پیٹ کے ہلکے نواب سے جڑ دی کہ حضور مولانا کو تو دوست واحباب سے ہی فرصت نہیں، وہ طلبار کی طرف کاہے کو متوجہ ہونے لگے اور وقت کہاں سے لائیں کہ دوستوں اور طلبار کا جی بھریں۔ اس طرح سے نواب کے گوش گزار کیا کہ نواب سے جب مولانا کی ملاقات ہوئی تو نواب نے اس شخص کا نام لیکر کل حال کہدیا۔ مولانا مکان آئے اور حکم دیدیا کہ دوست محمدؐ خاں درس میں شریک نہ ہوا کرے۔ اور نواب سے کہلا بھیجا میں کبھی کسی طالب علم کی شکایت آئندہ سنوں، ورنہ میرا سلام ہے۔ نواب صاحب بڑے قدردان تھے۔ ایسے قابل جوہر کو کیسے اپنے سے علیحدہ کرتے۔ کہلا بھیجا مولانا کو اختیار ہے، میں نے شکایت نہیں کی۔ بلکہ جو علم ہوا وہ گوش گزار کیا۔ نواب صاحب مولانا کے بڑے ناز بردار تھے اور مولانا تنک مزاج بہت تھے۔ دوست محمدؐ خاں کسی اور صاحب درس وتدریس کے یہاں پہنچے۔ مگر مولانا کے یہاں جو علم کی پیاس بجھتی تھی وہ دوسری جگہ کہاں۔ چنانچہ اپنے عزیز سے کہا کہ نواب صاحب کے ذریعہ میرا قصور معاف کرادو۔ ورنہ میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ مولانا نہ پڑھائیں صرف دربار میں آنے کی اجازت دیدیں، چنانچہ نواب صاحب سے جاکر پھر اُن جناب نے کہا۔ نواب بولے۔ میں مولانا سے نہ شکایت کروں۔ نہ سفارش کروں۔ وہ بہت گڑگڑائے تو نواب صاحب نے مولانا کو خوش وخرم دیکھکر کہا کہ دوست محمدؐ خاں اپنے فعل پہ نادم ہے۔ وہ صرف قدموں میں حاضر رہنے کی اجازت چاہتا ہے۔ مولانا نواب کی بات کیسے ٹالتے اجازت دیدی۔ اور درس میں شریک کرلیا۔

واقعہ

ڈاکٹر صاحب موصوف ہی اس واقعہ کے بھی راوی ہیں کہ مولانا کے درس میں ایک طالب علم ایسے آئے کہ متاہل زندگی رکھتے تھے۔ درس میں تو شریک ہوئے۔ مگر حافظہ جواب دے چکا تھا۔ جو پڑھتے یاد نہ رہتا۔ چند مرتبہ مولانا نے فرمایا بھی کہ میاں تم یاد نہیں کرتے۔ میرا کیوں وقت برباد کیا جاتا ہے، مگر وہ صاحب ہرحال میں شریک درس ہوتے۔ ایک دن مولانا ایسے بگڑے کہ اپنے ہوادار کے کہار کو بلواکر حکم دیا کہ ان طالب علم کا کان پکڑ کر صحن میں تو ٹہلاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ خفا ہو کر

درس سے اٹھ گئے۔ ہر ایک درسگاہ میں گئے مگر جی کہیں نہ لگا۔ جہاں جاتے۔ مولانا کے درس کی یاد ستاتی۔ آخر مولانا کی خدمت میں آئے مگر باریابی کا ذریعہ کہار کو ہی بنانا پڑا۔ جب کہیں جاکر مولانا کی اجازت درس کی شرکت کے لئے ہوئی۔

بول چال

مولانا بہت فصیح اردو بولتے تھے۔ کیوں نہ بولتے اردوئے معلیٰ میں بچپن گزرا شہزادوں کے ساتھ کھیلے کودے علماء اور ٹکسالی حضرات کی صحبت پائی۔ مولوی سید اخلاق الحسن خیرآبادی کہتے تھے کہ جب کبھی مولانا وطن آتے تو لوگ آپ کی میٹھی میٹھی باتیں سننے جاتے۔ گھنٹوں آپ کی باتیں سنا کرتے۔ اور منہ دیکھا کرتے۔ کبھی کوئی عربی یا فارسی کا غیر معروف لفظ آپ کی زبان پر آنے نہ پاتا'

الہ آباد جانے کا اتفاق

مولانا جہاں مولوی اکرام اللہ شہابی مختارکاری کرتے تھے ان کے پاس ٹھیرے۔ وہ مولانا کے قریبی عزیز تھے۔ باتوں باتوں میں مولوی صاحب نے کہا 'بھیا دنیا میں کتنے بڑے حکیم کہلاتے ہیں۔ کہنے لگے۔ میاں تین (یہ عرفیت مولوی صاحب کی تھی) ساڑھے تین حکیم دنیا میں کہے جا سکتے ہیں۔ ارسطو۔ معلم ثانی والد ماجد۔ نصف بندہ۔

وقار

مولانا بڑے دبدبہ والے اور باوقار تھے جو کوئی ملنے جاتا۔ تواضع سے پیش آتے۔ مگر حفظ مراتب خود ملحوظ رکھتے۔ اور دوسرے کو بھی موقع نہیں دیتے کہ وہ بے تکلفی برتے۔ جو اوقات ملنے کے تھے اُن کے خلاف کسی کو ملنے کی اجازت نہ تھی۔ جب اپنے علمی دربار میں آتے تو پورے لباس سے آتے۔ اہل مجلس پر چھائے رہتے۔ کسی کی کیا مجال کہ شور و غل کر سکے چیخ کر بات کرنا ممنوع تھا۔ نشست گاہ پر مسند اور تکیہ لگا رہتا تھا اور ارد گرد قالین بچھے رہتے۔ باہر سے آنے والے مولانا کے دربار کو امیر کا گھر سمجھا کرتے تھے مولانا تھے بھی امیر ابن امیر۔ خو بو امیرانہ تھی ہی۔

نفاست پسندی

ڈاکٹر محمد محمود احمد صاحب اپنے استاد مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کی زبانی یہ اور روایت بیان کرتے تھے کہ مولانا عبدالحق کی نفاست طبع کا یہ ادنٰی نمونہ تھا کہ دن میں تین مرتبہ لباس تبدیل کیا کرتے۔ نوکروں نے یہ چال چلی کہ اترے ہوئے لباس پر استری کر کے رکھ چھوڑا۔ جب طلبی ہوئی فوراً لباس حاضر

کردیا۔ آپ بھی اُن کی حرکت کو تاڑ گئے۔ اُس پر یہ طریقہ برتنے لگے کہ جب لباس اُتارتے پان کی پیک کا خفیف سا دھبہ لباس پر ضرور پڑا ہوتا۔ جس سے آئندہ نوکروں کو پھر ہمت نہ پڑی کہ اُترا ہوا لباس سامنے لاتے۔

ڈاکٹر محمد محمود احمد صاحب اس بات کو بھی فرماتے تھے کہ مولانا جس کمرہ میں نشست فرمایا کرتے۔ ہر دروازہ پہ پاپوش رکھی رہتی۔ جس طرف سے کمرہ سے باہر ہوتے اُس طرف پہننے کے لئے جوتا رکھا ملتا ہے۔

لباس

بڑھیا سے بڑھیا پہنتے تھے۔ دلی کے اگلے لوگوں کا سا لباس ہوتا۔ اس عبا ضرور پہنتے تھے۔

سید محمد فاروق نیر بنیرۂ مولوی سید عبدالواجد کرمانی خیرآبادی بیان کرتے تھے۔ کہ لکھنؤ کے دکانداروں کو پتہ چل جاتا کہ مولانا آج کل خیرآباد آئے ہوئے ہیں۔ تو اچھی سے اچھی چیز مولانا کے لئے لاتے۔ اور منہ مانگی قیمت پاتے۔ چنانچہ لکھنؤ کے ایک دکاندار آئے اور الوانیں لائے۔ مولانا نے شرف باریابی بخشا۔ اور ایک الوان پسند خاطر ہوئی۔ قیمت ڈیڑھ سو بتائی گئی۔ مگر مولانا کی خاطر سے اسّی روپیہ رہے۔ مولانا نے قلمدان طلب کیا۔ اُس میں روپیہ کم تھے۔ دوکاندار سے کہا جاؤ۔ ہم الوان روپیہ بھیجکر منگالیں گے۔ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے طلبا یہ رنگ دیکھ رہے تھے۔ ایک طالب علم آگرہ کے قریب موضع گوارئے کے زمین دار کے صاحبزادے حافظ محمد محسن خان تھے۔ وہ مولانا کے منہ لگے تھے اور ذہین طالب علم تھے۔ مولانا جب محلسرا میں چلے گئے۔ تو حافظ محمد محسن اٹھے اور سرائے میں جا کر اُس الوان کو چالیس یا پچاس میں خرید لیا بعد عصر مولانا پھر رونق افروز مجلس ہوئے۔ تو خوش خوش الوان نذر کی۔ اور کہا حضور میں نے چالیس میں خرید کی۔ آپ نے الوان کو الٹ پلٹ کے دیکھا۔ اور کہا وہ یہ تھوڑی ہے۔ اور اٹھا کر پھینک دیا۔ کہ بے وقوف ہم کو احمق سمجھتا ہے۔ خود بڑا عقل مند کا بچہ بنا ہے۔ ہم تو گرہ کٹوا لیتے اور یہ اس کی گرہ کاٹ لائے۔ جا مردود دور ہو۔ یہ بچارے روتے دھوتے مولانا کے پرانے خدمت گار شبراتی کے پاس آئے۔ اور کل واقعہ کہا۔ اُس نے کہا مجھے کیا دو گے۔ چنانچہ کچھ رقم دینے کا وعدہ کیا۔ وہ اٹھا اور الوان کو درست کر کے وصلی پر لپیٹا اور ململ کے ٹکڑے میں لپیٹ کر مولانا کے پاس لایا

شبراتی نے کہا حضور حافظ جی سے وہ الوان واپس کرا کے اور چالیس روپیہ اور دیگر
یہ آپ کی پسندکردہ الوان اس سے لے آیا۔ مولانا نے الوان دیکھی۔ کہنے لگے۔ حافظ
جی دیکھو کتنا فرق ہے۔ ہماری نگاہ کچھ ہے کہ نہیں۔ ارے دوکاندار ہمارا نام سنکر آتے
ہیں، منہ مانگی مراد نہ پائیں تو کوئی کاہیکو آنے لگے۔ لوگوں میں یہ چرچا تو ہے کہ شبلی نوابوں
کے ایک بوریہ نشین ملائے مکتبی ایسا ہے کہ وہ امرا کے مانند دل رکھتا ہے۔ بات آئی
گئی ہو لی۔

لطیفہ — مفتی اعجاز احمدؒ گوپا موی برادر خرد مفتی خلیل احمدؒ انسپکٹر پولس بھوپال فرماتے
تھے کہ مولانا کو عالم ضعیفی میں ایسا عارضہ لاحق ہو گیا تھا کہ اطباء نے بگلوں کا
شوربہ تجویز کیا تھا تو آپ کے لئے بٹیریں دوست احباب اکثر بھیجدیا کرتے تھے، مولانا
کے یہاں بطوں کی طرح بگلے پلے رہتے تھے۔ بٹیریں آئیں اور کچھ کا شوربا تیار ہوا
باقی ختم ہو گئیں۔ مولانا نے ایک روز دسترخوان پر شوربہ کو پوچھا کہ ہم کئی وقت سے
نہیں دیکھتے۔ شبراتی بولے۔ حضور چند بٹیریں بچی تھیں کہ بگلے حضور کے چٹ کر گئے
مولانا خاموش ہو گئے جو آتا اس سے اس کا ذکر ضرور کرتے۔ مولانا کے صاحبزادہ
مولوی اسد الحق جو آئے ان سے بھی ذکر کیا۔ وہ کہنے لگے۔ ابا جان یہ کارستانی شبراتی
کی ہے، خود کھا گیا۔ بگلوں کے سر تھوپ دیا۔ مولانا نے منہ پھیر لیا۔ اور کئی روز اُن سے
بات نہ کی۔ مولوی اسد الحق ہاتھ باندھکر آئے تو مولانا بولے۔ میاں اسد، تم نے
ہمیں نادان سمجھا ہے کہ ہمیں سبق دیتے ہو۔ میاں۔ شبراتی ابا صاحب کا پروردہ ہے،
ہم کیسے اس کو چور بناتے یہ تو تمہارا ہی جگرا تھا کہ بزرگوں کے دیکھنے والے کے لئے
ایسی رائے قائم کرتے ہو، میاں اگر اس نے کھا یا بھی تو ہم نے فضیحتا اتنا کیا کہ شبراتی
نادم نظر آتے ہیں۔ مگر زبان سے کہنے کی کیا ضرورت۔ اب تم جانو کہ کبھی بڑوں کیلئے
بے ادبی کا لفظ کہا۔

رخصت — مولانا رخصت کے لئے جانے لگے۔ جرنیل عظیم الدین خاں نے کہا
مولانا زیادہ دن نہ ٹھیرنا۔ آپ کی فرقت ستائے گی۔ آٹھ ماہ بلا طلب
رخصت دی۔ مگر مقامی واقعات سے ایسا جی اچاٹ ہوا تھا کہ وطن آکر پھر نہیں گئے،

لطیفہ — مولانا نیاز فتحپوری جو بیک واسطہ مولانا عبد الحق کے شاگرد ہیں۔ اپنے

استاد مولانا وزیر محمد خاں صاحب کی زبانی بیان کرتے تھے۔ کہ مولانا بے حد نفاست پسند تھے۔ ایک روز ٹوکرے والا آم لیکر حاضر ہوا۔ آم بہت عمدہ تھے۔ مگر آپ نے ان آموں کو دیکھا بھالا اور واپس کر دیے۔ کسی طالب علم نے آم والے سے کہا۔ ان آموں کو دھو ڈال اور کپڑے سے پونچھ۔ اور کسی دوسرے وقت چھوٹی ٹوکری میں لگا کر لا۔ اور مولانا کے سامنے پیش کر، جو قیمت مانگے گا وہ ملے گی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تو مولانا نے تمام آم خرید لئے۔ اور اس کی تعریف ہر آنے جانے والے سے کی

لطیفہ مفتی اعجاز احمد گوپاموی ارشاد فرماتے تھے کہ مولانا عبدالحق کے پاس ایک افغانی "ہندی" پڑھنے خیرآباد آیا۔ ابھی مولانا کی خدمت میں باریاب نہ ہوا تھا۔ نام اس کا یار دل مُلّا پوش رکھ چھوڑا تھا۔ مولانا کو خبر دی گئی ایک افغانی طالب علم آیا ہے۔ آپ نے پوچھا اس کا نام کیا ہے۔ عرض کیا۔ مُلّا پوش۔ آپ نے کہا اس سے کہدو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ جو اس کو دے سکوں۔ بساط تقرب کے بیٹھنے والوں نے آپ کی طرف حیرت سے دیکھا۔ فرمانے لگے۔ یونان۔ ایران، اودھ کے رہنے والوں کے سوا کسی دوسری جگہ کے باشندوں کی دماغی حالت اس قابل ہے نہیں کہ وہ فلسفہ کی دقیقہ سنجی سے لطف اندوز ہو سکیں افغانیوں کے لئے تو سعدی کا مصرع عام ہے،

خری واحمقی وجہل بافغاں داد ند

چنانچہ وہ افغان طالب علم رخصت ہو گیا۔

خلق مولانا خلیق متواضع بزرگ تھے۔ مولوی اخلاق الحسن خیرآبادی بیان کرتے تھے۔ کہ مولانا کے اخلاق کی ادنیٰ سی بات تھی کہ کوئی شخص صرف سلام کے لئے جاتا تو کم از کم مولانا کے پاس سے گھنٹے دو گھنٹے بعد آتا آپ کے حسن و مذاق اور شگفتی مزاج کی شہرت عام تھی۔ ہنس مکھ تھے، مولوی اولاد حسین ابن مولوی ارشاد حسین خیرآبادی کہتے تھے کہ مولانا میں انکسار بے حد تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے کو بھائی کہکر گفتگو کرتے۔ اگر کسی سے گفتگو ہو رہی ہے تاوقتیکہ وہ خود مولانا کے پاس سے نہ جائے خود اس کو رخصت نہ کرتے تھے کہ کہیں اس کا دل میلا نہ ہو۔

حلیہ مفتی فخرالحسن خیرآبادی کہتے تھے کہ مولانا کشیدہ قامت۔ گول چہرہ۔ داڑھی بھری ہوئی۔ خوب صورت شان وشکوہ کے بزرگ تھے لباس میں انگرکھا بہت پسند تھا

عرض کے پائنچے کا پاجامہ پہنتے۔ نیچی آستین کا کرتہ۔ اور قبہ نما ٹوپی۔۔۔۔ گاہے گاہے عبا بھی پہنا کرتے تھے۔ عالمانہ وقار چہرہ سے عیاں رہتا تھا عمامہ بھی باندھتے تھے پرانی دلی کی وضع کے پابند۔ مغلیہ شہزادوں کی صحبت میں بچپن کٹا تو روزمرہ اردوئے معلیٰ تھا۔ ہندوستان میں علوم عقلیات مغلیہ فاتحین کے ساتھ آئے۔ مگر اکبر کے عہد میں میر فتح اللہ شیرازی نے فلسفہ کا درس شروع کیا۔ اس کے ہی شاگرد قاضی گھاسی تھے۔ جن کے شاگرد ملّا عبدالسلام دیوی انسی ہیں۔ ملّا قطب الدین سہالوی نے علوم عقلیہ کی تحصیل کی اُن کے ارشد تلامذہ سے قاضی شہاب الدین گوپاموی تھے۔ ان کے پوتے ملّا دہاج الدین گوپاموی بن ملّا قطب الدین تھے۔ جو اپنے باپ کے شاگرد تھے۔ ان سے مولانا عبدالواجد کرمانی نے تحصیل علوم عقلیات کی جن سے مولانا فضل امام نے فلسفہ حاصل کیا۔ مولانا کے خلف مولانا فضل حق باپ کے ہی شاگرد تھے۔ مولانا عبدالحق نے بھی اپنے باپ سے ہی تحصیل علوم عقلیہ کا کیا۔ اپنے زمانہ میں باعتبار تبحرّ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے عربی میں تو آپ کی تصانیف نہیں مگر اُردو زبان میں پہلے آپ ہیں جنھوں نے فلسفہ میں "زبدۃ الحکمت" کتاب لکھی۔ زبان ایسی لکھی ہے' کہ ادبی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ مصطلحات عربی ہیں مگر اس طرح سے وضاحت کر دی ہے' کہ خالص اُردو کے مصطلحات منطق و فلسفہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ علوم فلسفۂ قدیم پر مولانا کی لاجواب تصنیف اُردو میں ہے۔

بیعت آخری عمر میں طبیعت ذکر و فکر کی طرف بہت راغب تھی۔ شاہ حاجی الہ بخش تونسوی کے مرید ہو گئے۔

حیدرآباد وطن سے حیدرآباد گئے۔ وہاں یہ بڑی قدردانی ہوئی۔ وہاں کے اہل علم کے سوا امرار ملنے آتے اور آپ کی باتیں سنتے۔ شدہ شدہ اعلیٰ حضرات تک خبر پہنچی۔ شرف باریابی بخشا۔ سوا دو سو روپیہ ماہوار کا بلاشرط خدمت منصب عطا کیا کچھ عرصہ رہ کر وطن لوٹ آئے۔

خطاب مولانا کو بلا طلب کے گورنمنٹ برطانیہ نے شمس العلمار کا خطاب عطا کیا۔ کہا کرتے تھے۔ باپ کو کالا پانی گیا۔ بیٹے کی خطاب سے اشک شوئی کی۔

رامپور نواب حامد علی خاں تخت نشین ہوئے۔ تو مولانا بلائے گئے۔ نواب بھی بیحد اکرام اور تواضع سے پیش آتے تھے۔ مولانا سے نواب صاحب کو بھی شرف

تلمذ تھا۔ آخر میں جبکہ ستر۔ بہتر سال کا سن ہو چکا تھا۔ امراض جگر میں مبتلا ہو گئے تھے۔
بہت علاج و معالجہ کیا۔ لیکن روز بروز طبیعت ناساز ہی ہوتی گئی۔ نواب نے اُن کے
بیٹے مولوی اسد الحق کو مدرسۂ عالیہ سے متعلق کر دیا تھا۔ آخرش وطن ہو گئے۔

وفات ۲۲ر شوال ۱۳۱۶ھ کو انتقال کیا۔ حضرت شیخ سعد کی درگاہ میں دفن
کئے گئے۔

تاریخ

شمس العلماء بہ ظلمت دہر — چوں نیر ز ابر تیرہ بجست
بر لوح مزار امیر بنویس — آرامگہ امام وقت است

عام ہندوستان کی تمام مشہور درسگاہوں میں مولانا کے ماتمی جلسے ہوئے
جامع ازہر مصر میں ایک ہفتہ تک مدرسہ کی مولانا کے غم میں تعطیل رکھی گئی۔

تصنیف حاشیہ قاضی مبارک۔ شرح سلاسل الکلام۔ حاشیہ جدیدہ بر غلام یحییٰ۔
رسالۂ مفردہ فی تحقیق استلزام۔ شرح ہدایت الحکمت، جواہر غالیہ، شرح
مسلم الثبوت۔ تسہیل الکافیہ۔ شرح ہبزا ہد امور عامہ۔ حاشیہ حمد اللہ۔ شرح سلم ۵۱
اُردو زبان میں سب سے پہلے آپ نے "زبدۃ الحکمت" کتاب تصنیف کی۔
جس کا ذکر اوپر تفصیل سے ہے۔ مولوی اولاد حسین مرحوم کے ذریعہ شائع ہو گئی۔

تلامذہ مولوی حکیم برکات احمد ٹونکی۔ مولوی فضل حق صدر مدرس مدرسۂ عالیہ
رام پور۔ مولوی علی احمد خاں اسیر بدایونی مولانا محمد طیب مکی وغیرہ۔

۵۱۔ تذکرہ کاملان رامپور صفحہ ۲۰۱۔ دبیر العلماء مرتبہ مولوی حکیم بہار الدین گوپاموی

روہیلکھنڈ کے مشہور روہیلا سردار حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی باتصویر سوانح عمری

"حیاتِ حافظ رحمت خاں"

مولفہ

مولوی سید الطاف علی بی اے علیگ بریلوی

سپرنٹنڈنٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ

مصنف و مرتب۔ "مسلمانوں کی دنیا" "مسلمانوں کی تعلیمی جد و جہد" "مشترکہ انتخاب جداگانہ و مخلوط"

اور رباعیات عرش فاروقی وغیرہ

جسمیں

آنریبل ڈاکٹر سر سیتا رام صاحب پریسیڈنٹ یوپی کونسل نے پیش نامہ تحریر فرمایا ہے

اور جس کی

عالیجناب صاحبزادہ ڈاکٹر **عبد الواحد خاں** ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا نے مبلغ ایکہزار روپئے کے عطیہ سے اور اہل ملک نے حسن قبول سے قدردانی فرمائی
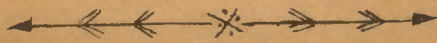
حجم چار سو صفحات۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ ملنے کا پتہ

کانفرنس بک ڈپو علی گڑھ۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔ نظامی پریس بدایوں۔ دفتر "الفرقان" بریلی

پرنٹر:- محمد احید الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ اے (لندن)
پبلشر:- سکریٹری مجلس تصنیفین علی گڑھ